مقالات

اسلام میں مرتد کا حکم

کیا حکومتِ اسلامی میں تبلیغِ کفر کی اجازت ہے؟

۲۔ دار الاسلام میں تبلیغِ کفر کا مسئلہ یہاں تک ہماری بحث پہلے سوال سے متعلق تھی یعنی یہ کہ اسلام میں مرتد کی سزا قتل ہے یا نہیں۔ اب ہم دوسرے سوال کو لیتے ہیں جسے سائل نے ان الفاظ میں پیش کیا ہے؛

> "کیا ایک صحیح اسلامی حکومت کے تحت غیر مسلموں کو اپنے مذاہب کی تبلیغ کا حق اسی طرح ہوگا جس طرح مسلمانوں کو اپنے مذہب کی تبلیغ کا حق حاصل ہونا چاہیے؟ کیا خلافتِ راشدہ اور بعد کی خلافتوں کے تحت کفار و اہلِ کتاب کو اپنے مذاہب کی تبلیغ کا حق حاصل تھا؟"

اس مسئلہ کا فیصلہ بڑی حد تک تو قتل مرتد کے قانون نے خود ہی کر دیا ہے، کیونکہ جب ہم اپنے حدود اقتدار میں کسی ایسے شخص کو جو مسلمان ہو اسلام سے نکل کر کوئی دوسرا مذہب و مسلک قبول کرنے کا "حق" نہیں دیتے تو لامحالہ اس کے معنی یہی ہیں کہ ہم حدودِ دار الاسلام میں اسلام کے بالمقابل کسی دوسری دعوت کے اُٹھنے اور پھیلنے کو بھی برداشت نہیں کرتے۔ دوسرے مذاہب و مسالک کو تبلیغ کا "حق" دینا، اور مسلمانوں کے لیے تبدیلِ مذہب کو جرم ٹھیرانا، دونوں ایک دوسرے کی ضد ہیں اور موخر الذکر قانون مقدم الذکر چیز کو خود بخود کالعدم کر دیتا ہے۔ لہٰذا قتلِ مرتد کا قانون فی نفسہٖ یہ نتیجہ نکالنے کے لیے کافی ہے کہ اسلام اپنے حدودِ اقتدار میں تبلیغِ کفر کا روادار نہیں ہے لیکن ایک شخص کہہ سکتا ہے کہ یہ قانون صرف مسلمانوں کو تبلیغِ کفر کے اثرات سے محفوظ کرتا ہے، اس کے بعد یہ سوال پھر بھی باقی رہ جاتا ہے کہ آیا اسلام اپنے حدود میں رہنے والے غیر مسلموں اور باہر سے آنے والے داعیوں کو غیر مسلم آبادی میں اپنے اپنے مذاہب و مسالک کی دعوت پھیلانے کی اجازت دیتا ہے یا نہیں؟

مسئلہ کی تحقیق۔ اس سوال کی تحقیق کے لیے ضروری ہے کہ ہم اسلام کی پوزیشن اور اسلامی حکومت کی نوعیت کو اچھی طرح سمجھ لیں۔

اسلام کی اصلی پوزیشن یہ ہے کہ وہ خود ایک راستہ نوعِ انسانی کے سامنے پیش کرتا ہے اور پوری قطعیت کے ساتھ یہ دعویٰ کرتا ہے کہ یہی میرا راستہ صحیح ہے اور دوسرے سب راستے غلط ہیں، اسی میں انسان کی فلاح ہے اور دوسرے راستوں میں انسانیت کے لیے تباہی و بربادی کے سوا کچھ نہیں ہے، لہٰذا اسی راہ پر سب لوگوں کو آنا چاہیے اور دوسرے راستوں کو چھوڑ دینا چاہیے:

وَاَنَّ ھٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا فَاتَّبِعُوْہُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِکُمْ عَنْ سَبِیْلِہٖ۔ (انعام۔ ۱۹)

اور یہ کہ میرا یہ راستہ ہی ایک سیدھا راستہ ہے پس تم اسی کی پیروی کرو اور دوسری راستوں کی پیروی نہ کرو ورنہ تم اللہ کے راستے سے ہٹ جاؤ گے۔

اس کی نگاہ میں ہر وہ طریقِ فکر و عمل جس کی طرف کوئی غیر مسلم دعوت دیتا ہے، گمراہی ہے اور اس کی پیروی کا نتیجہ انسان کے لیے نقصان اور خالص نقصان کے سوا اور کچھ نہیں ہے:

اُولٰٓئِکَ یَدْعُوْنَ اِلَی النَّارِ وَاللّٰہُ یَدْعُوْٓا اِلَی الْجَنَّۃِ وَالْمَغْفِرَۃِ بِاِذْنِہٖ (البقرہ ـ ۲۷)

وہ آگ کی طرف بلاتے ہیں اور اللہ اپنے حکم سے جنت اور بخشش کی طرف بلاتا ہے۔

اس دعوے اور اس دعوت میں اسلام اپنے اندر کوئی باطنی تذبذب اور تردد نہیں رکھتا۔ وہ اس شک میں مبتلا نہیں ہے کہ شاید کوئی دوسرا راستہ بھی حق اور موجبِ فلاحِ انسانیت ہو۔ اسے اپنے حق اور دوسری تمام راہوں کے باطل ہونے کا پورا یقین ہے۔ پس جب کہ اسلام کی پوزیشن یہ ہے تو اس کی طرف سے یہ ایک متناقض طرزِ عمل ہوگا اگر وہ ایک طرف دوسرے تمام راستوں کے باطل ہونے کا دعویٰ اس قدر یقین کے ساتھ بھی کرے اور دوسری طرف گمراہ لوگوں کے اس حق کو بھی تسلیم کرے کہ وہ بندگانِ خدا کو ان باطل راستوں کی طرف بلائیں۔ دعوت و تبلیغ کا "حق" تو بڑی چیز ہے، اس کی پوزیشن تو یہ بھی گوارا نہیں کرتی کہ وہ کسی غیر مسلم کے لیے دہریت یا کفر یا شرک پر قائم رہنے کو اس کا حق تسلیم کرلے۔ زیادہ سے زیادہ جس چیز کو وہ بادلِ ناخواستہ گوارا کرتا ہے وہ بس یہ ہے کہ جو شخص کفر پر قائم رہنا چاہتا ہے اسے "اختیار" ہے کہ اپنی فلاح کے راستہ کو چھوڑ کر اپنی بربادی کے راستہ پر چلتا رہے۔ اور یہ بھی وہ صرف اس لیے گوارا کرتا ہے کہ زبردستی کسی کے اندر ایمان اتار دینا قانونِ فطرت کے تحت ممکن نہیں ہے، ورنہ انسانیت کی خیر خواہی کا اقتضا یہ تھا کہ اگر کفر کے زہر سے لوگوں کو بجبر بچانا ممکن ہوتا تو ہر اس شخص کا ہاتھ پکڑ لیا جاتا جو اس زہر کا پیالہ پی رہا ہے۔ اس جبری حفاظت

اور نجات دہندگی سے اسلام کا اجتناب اس بنا پر نہیں ہے کہ وہ تباہی کے گڑھے کی طرف جانے کو لوگوں کا "حق" سمجھتا ہے اور انھیں روکنے اور بچانے کو "باطل" خیال کرتا ہے، بلکہ اس کارِ خیر سے اس کے اجتناب کی وجہ صرف یہ ہے کہ خدا نے جس قانون پر کائنات کا موجودہ نظام بنایا ہے اس کی رُو سے کوئی شخص کفر کے تباہ کن نتائج سے نہیں بچایا جا سکتا جب تک کہ وہ خود کافرانہ طرزِ فکر و عمل کی غلطی کا قائل و معترف ہو کر مسلمانہ رویہ اختیار کرنے پر آمادہ نہ ہو جائے۔ اس لیے اور صرف اسی لیے اسلام اللہ کے بندوں کو یہ "حق" نہیں بلکہ "اختیار" دیتا ہے کہ وہ تباہی و بربادی ہی کے راستہ پر چلنا چاہتے ہیں تو چلیں۔ لیکن اس سے یہ امید کرنا عبث ہے کہ وہ اس اختیار کے ساتھ ان خودکشی کرنے والوں کو یہ بھی اختیار دے گا کہ جس تباہی کی طرف وہ خود جا رہے ہیں اس کی طرف دوسرے بندگانِ خدا کو بھی چلنے کی ترغیب دیں۔ جہاں اس کا بس نہیں چلتا وہاں تو وہ مجبور ہے، لیکن جہاں اس کی اپنی حکومت قائم ہو اور اللہ کے بندوں کی فلاح و بہبود کا ذمہ اس نے لیا ہو وہاں چوری اور ڈاکے اور قحبہ گری اور افیون نوشی اور زہر خوری کی تبلیغ کا لائسنس دینا اگر اس کے لیے ممکن نہیں ہے تو اس سے بدرجہا زیادہ مہلک چیز، کفر و شرک اور دہریت اور خدا سے بغاوت کی تبلیغ کا لائسنس دینا اس کے لیے کسی طرح ممکن ہو سکتا ہے؟

اسلامی حکومت کا بنیادی مقصد | اسلام جس غرض کے لیے اپنی حکومت قائم کرتا ہے وہ محض انتظامِ ملکی نہیں ہے، بلکہ اس کا ایک واضح اور متعین مقصد ہے جسے وہ ان الفاظ میں بیان کرتا ہے:

هُوَ الَّذِيٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ۔ (التوبہ - ۵)	وہ اللہ جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دینِ حق دے کر بھیجا تاکہ اسے پوری جنسِ دین پر غالب کر دے خواہ شرک کرنے والوں کو یہ کتنا ہی ناگوار ہو۔
وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ (الانفال - ۵)	اور تم ان سے جنگ کرو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین پورا کا پورا اللہ کے لیے ہو جائے۔
وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا (البقرہ - ۱۷)	اور اسی طرح تو ہم نے تم کو امتِ وسط (بہترین گروہ) مقرر کیا ہے تاکہ تم دنیا کے لوگوں پر گواہ ہو اور رسول تم پر گواہ ہو۔

ان آیات کی رو سے پیغمبر کے مشن کا اصل مدعا یہ ہے کہ جس ہدایت اور دینِ حق کو وہ خدا کی طرف سے لایا ہے اسے

ہر اُس نظامِ زندگی کے مقابلہ میں غالب کر دے جو "دین" کی نوعیت رکھتا ہو، اور لامحالہ اس سے یہ بھی لازم آتا ہے کہ جہاں پیغمبر کو اپنے اس مشن میں کامیابی حاصل ہو جائے وہاں وہ کسی ایسی دعوت کو نہ اُٹھنے دے جو خدا کی ہدایت اور اس کے دین کے مقابلہ میں کسی دوسرے دین یا نظامِ زندگی کے غلبہ کی کوشش کرنا چاہتی ہو۔ پیغمبر کے بعد جس طرح اس کے جانشین اُس دین کے وارث ہوتے ہیں جو وہ خدا کی طرف سے لایا تھا، اسی طرح وہ اس مشن کے بھی وارث ہوتے ہیں جس پر اللہ نے اسے مامور کیا تھا۔ ان کی تمام جدوجہد کا مقصود ہی یہ قرار پاتا ہے کہ دین پورا کا پورا اللہ کے لیے مخصوص ہو۔ جہاں معاملاتِ زندگی ان کے قبضہ واختیار میں آجائیں اور جس ملک یا جس سرزمین کے انتظام کے متعلق انھیں پوری طرح خدا کے سامنے ذمہ دار بن کر گواہی دینی ہو، وہاں ان کے لیے یہ کسی طرح بھی جائز نہیں ہو سکتا کہ وہ اپنی حفاظت ونگرانی میں خدا کے دین کے بالمقابل کسی دوسرے دین کی دعوت کو پھیلنے کا موقع دیں تاکہ دین پورا کا پورا اللہ کے لیے نہ ہونے پائے اور کسی غلط نظامِ زندگی کا فتنہ اگر باقی ہے تو وہ اور زیادہ بڑھے۔ آخر وہ خدا کے سامنے گواہی کس چیز کی دیں گے؟ کیا اس چیز کی کہ جہاں تو نے ہمیں حکمرانی کی طاقت بخشی تھی وہاں ہم تیرے دین کے مقابلہ میں ایک فتنے کو سر اٹھانے کا موقع دے آئے ہیں؟

دارالاسلام میں ذمیوں اور مستامنوں کی حیثیت اسلامی حکومت میں غیر مسلموں کو اپنے دین پر قائم رہنے کی جو آزادی بخشی گئی ہے اور جزیہ کے معاوضہ میں ان کی جان ومال اور ان کی مذہبی زندگی کے تحفظ کا جو ذمہ لیا گیا ہے اس کا مآل زیادہ سے زیادہ بس اتنا ہے کہ جس طریقہ پر وہ خود چلنا چاہتے ہیں اس پر چلتے رہیں۔ اس سے تجاوز کر کے اگر وہ اپنے طریقہ کو دنیا میں چلانے کی کوشش کریں گے تو کوئی اسلامی حکومت جو اس نام سے موسوم کیے جانے کے قابل ہو، انھیں اس کی اجازت ہرگز نہیں دے سکتی۔ جزیہ کا قانون قرآن مجید کی جس آیت میں بیان ہوا ہے اس کے صاف الفاظ یہ ہیں حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ (یہاں تک کہ وہ اپنے ہاتھ سے جزیہ دیں اور چھوٹے بن کر رہیں)۔ اس آیت کی رُو سے ذمیوں کی صحیح پوزیشن اسلامی حکومت میں یہ ہے کہ وہ صاغرون بنے رہنے پر راضی ہوں۔ کابرون بننے کی کوشش وہ ذمی ہوتے ہوئے نہیں کر سکتے۔ اسی طرح باہر سے آنے والے غیر مسلم جو مستامن کی حیثیت سے دارالاسلام میں داخل ہوں، تجارت، صنعت وحرفت، سیاحت، حصولِ تعلیم، اور دوسرے تمام تمدنی مقاصد کے لیے آ سکتے ہیں، لیکن اس غرض کے لیے ہرگز نہیں آ سکتے کہ اللہ کے کلمہ کے مقابلہ میں

کوئی دوسرا کلمہ بلند کریں۔ اللہ نے کفار کے خلاف جو مدد اپنے پیغمبر کو اور اس کے بعد مسلمانوں کو دی یا آئندہ دیگا، اور جس کے نتیجہ میں دار الاسلام پہلے قائم ہوا یا آئندہ کبھی قائم ہوگا، اس کی غرض صرف یہ تھی اور آئندہ بھی یہی ہوگی کہ کافروں کا بول نیچا ہو اور اللہ کا بول بالا ہو کر رہے، فَأَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِينَتَهُ عَلَيْهِ وَأَيَّدَهُ بِجُنُودٍ لَمْ تَرَوْهَا وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِينَ كَفَرُوا السُّفْلَىٰ وَكَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا۔ پس مسلمان سخت احسان فراموش اور کافر نعمت ہوں گے اگر اللہ کی اس مدد سے فائدہ اٹھانے کے بعد وہ اپنے حدود اختیار میں کَلِمَةَ الَّذِينَ كَفَرُوا کو سُفْلیٰ سے پھر عُلیا ہونے کے لیے کوشش کرنے دیں۔

دورِ نبوت اور خلافتِ راشدہ کا طرزِ عمل نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کے زمانہ میں حکومت کی مستقل پالیسی یہی تھی جو اوپر بیان ہوئی۔ عرب میں مسیلمہ، اسود عنسی، طلیحہ اسدی، سجاح، لقیط بن مالک ازدی اور ان کے سوا جو بھی اسلام کے مقابلہ پر کوئی دعوت لیکر اٹھا اُسے بزور دبا دیا گیا۔ جن غیر مسلم قوموں نے جزیہ پر معاہدہ کرکے اسلامی حکومت میں ذمی بن کر رہنا قبول کیا ان میں سے اکثر کے معاہدے لفظ بلفظ حدیث اور تاریخ کی کتابوں میں موجود ہیں، ان میں تمام حقوق و مراعات کی تفصیل پائی جاتی ہے مگر اس "حق" کا کہیں ذکر نہیں ہے کہ وہ اپنے دین کی دعوت حدودِ دار الاسلام میں پھیلا سکیں گی۔ جن غیر مسلموں کو مسلمانوں نے خود اپنی فیاضی سے ذمیت کے حقوق عطا کیے، ان کے حقوق کی تفصیل بھی فقہ کی کتابوں میں موجود ہے مگر اس نام نہاد "حق" کے ذکر سے وہ بھی خالی ہیں۔ مستامن بن کر باہر سے آنے والے غیر مسلموں کے ساتھ حکومت اسلامی کا معاملہ جیسا کچھ بھی ہونا چاہیے اس کو فقہاء نے پوری وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے اور اس میں بھی کہیں کوئی اشارہ تک ایسا نہیں ملتا کہ اسلامی حکومت کسی ایسے شخص کو آکر اپنے حدود میں کام کرنے کی اجازت دے سکتی ہے جو کسی دوسرے مذہب و مسلک کا پرچار کرنا چاہتا ہو۔ اب اگر بعد کے دنیا پرست "خلفاء" اور بادشاہوں نے اس کے خلاف کوئی عمل کیا ہے تو وہ اس بات کا ثبوت نہیں ہے کہ اسلام کا قانون اس کی اجازت دیتا ہے، بلکہ وہ دراصل اس کا ثبوت ہے کہ یہ لوگ ایک حقیقی اسلامی حکومت کے فرائض سے ناواقف یا ان سے منحرف ہو چکے تھے۔ "رواداری" کے موجودہ تصور کو جن لوگوں نے معیارِ حق سمجھ رکھا ہے وہ بڑے فخر کے ساتھ اپنے بادشاہوں کے یہ کارنامے داد طلبی کے لیے غیر مسلموں کے سامنے پیش کر سکتے ہیں کہ فلاں مسلمان بادشاہ نے غیر مسلم معبدوں اور مدرسوں کے لیے اتنی جائدادیں وقف کیں، اور فلاں کے دور میں ہر مذہب و ملت کے لوگوں کو اپنے اپنے دین کے پرچار کی پوری آزادی حاصل تھی۔ مگر اسلامی نقطۂ نظر سے یہ سب کارنامے ان بادشاہوں کے جرائم کی فہرست میں لکھے جانے کے قابل ہیں۔

(باقی)